سرکاری مناصب و ذرائع کا ذمہ دارانہ استعمال
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر حمید اللہ عبد القادر*
حافظ انتظار احمد**

ABSTRACT

Good govrence has become a serious issue in today's political life. Corruption in public office holders has endangered the political system of Pakistan. In this state of affairs, it seems appropriate that we revert to Islamic teachings of Quran and Sunnah about honesty, integrity and responsible attitude in public life.

In this article I have described the criteria of employment suggested by Quran and Sunnah along with the principles of morality to which a government employee should adhere to. I have also mentioned the road-map wich public servants should follow and unwanted practics frome wich they should refrain from in light of Seerah of the Holly Prophet (SAW).

Key Words: علم، قوی وامین، جسمانی صلاحیتیں، رشوت، بد دیانتی

اسلام کی تعلیمات ابدی اور لافانی ہیں۔ اسلام زمان و مکان کی حدود و قیود سے بالاتر ہونے کی وجہ سے ہر دور کی رہبری و راہنمائی کی تعلیمات عطا کرتا ہے۔ ہر شعبۂ حیات کے لیے قرآن و سیرت نبوی ﷺ میں بنیادی راہنما اصول موجود ہیں اور ان اصولوں کا ہر معاشرہ میں اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ ریاست، سیاست اور قیادت کے لیے بھی

* پروفیسر (ر) شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
** معاون ریسرچ جرنل الاضواء، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

یہاں ایسے بنیادی نکات موجود ہیں جو ہر دور کے معاشرہ کی ناگزیر ضرورت ہیں۔یقیناً جس پیغام ربانی کے اتمام و اکمال اور اس پر راضی ہونے کا اعلان کتاب حکمت نے کیا ہے اس میں یہ اوصاف و کمالات ہونے چاہئیں۔اس لیے اسلامی تعلیمات اور نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ میں 'سرکاری ملازمین' (Public Servants) کے پیشہ وارانہ فرائض وذمہ داریوں کے حوالہ سے بہت سی اہم اور بنیادی ہدایات اور راہنمائی کے نکات موجود ہیں۔

دستورِ زمانہ یہ ہے کہ عہدے اور منصب ایک اعزاز سمجھے جاتے ہیں لیکن اسلام میں یہ عہدے اور منصب ایک 'امانت' کی حیثیت رکھتے ہیں۔یہ نہایت اہم اور بنیادی فرق ہے جو ذمہ داریوں کی نوعیت اور عہدے دار کی حیثیت کو واضح کر دیتا ہے۔اس ذمہ داری کی بجا آوری کے ہر پہلو کا اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا تصور 'منصب دار' کو 'خدمت گار' کے روپ میں پیش کرتا ہے۔یہ خدمت گار اپنے فرائض کی بجا آوری میں ہر لمحہ لرزاں و ترساں رہتا ہے کہ کہیں کوتاہی ہو گئی تو خدا کے سامنے ، مصطفی ﷺ،امت کی وکالت کرتے ہوئے میرے خلاف پیش ہوئے تو کیا جواب دوں گا؟ یہی وہ تصور تھا جس کی وجہ سے اکابرین امت کسی ذمہ داری کو قبول کرنے سے ہچکچاتے تھے۔نبی کریم ﷺ نے واضح ہدایات ارشاد فرمائیں کہ عہدہ یا منصب کا مطالبہ نہ کیا جائے۔آپ ﷺ کا واضح ارشاد ہے:

إنا، والله ! لا نولي على هذا العمل أحداً سأله ولا أحداً حرص عليه. [1]

"اللہ کی قسم!ہم اس عمل پر کسی ایسے شخص کو عامل مقرر نہیں کرتے جو اس کا مطالبہ کرے اور نہ ہی اس کو جو اس کی تمنا کرے۔"

اس حدیث مبارک نے اس حقیقت پر روشنی ڈالی کہ جب عہدے مطالبات اور لالچ کی بنیاد پر مانگیں جائیں گے تو معاشرہ میں بے اعتدالی اور افسران میں لوٹ مار کا رجحان زور پکڑے گا۔ایسے لوگوں کو جو ان عہدوں سے گریز کریں ان کو 'خیر الناس' قرار دیا ہے۔[2] آپ ﷺ نے تو یتیم کا متولی بننے کو بھی ناپسند فرمایا اور حضرت

1-نیشابوري، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، المسند الصحیح المختصر من السنن بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله صلى الله علیه وسلم، دار السلام للنشر والتوزیع الریاض،2000ء، کتاب الاماره، باب الحکم، رقم الحدیث:1733

2-البخاري، ابو عبدالله، محمد بن اسماعیل، الجامع المسند الصحیح المختصر من أُمور رسول الله وسننه وایامه، دار السلام والنشر والتوزیع الریاض، 2000ء، کتاب الاحکام، باب ما یکره من الحرص على الامارة، رقم الحدیث: 7194

ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا: لا تأمرَنّ علی اثنینِ . ولا تَولینّ مالَ یتیم[1]
"یعنی اے ابوذر (رضی اللہ عنہ)! تم کبھی دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا اور نہ کسی یتیم کے مال کی سرپرستی قبول کرنا۔"
عدم قبولیت کی وجہ ان الفاظ سے ظاہر ہے: إنہا أمانةٌ و إنہا یومَ القیامةِ خزيٌّ و ندامةٌ[2] "یہ عہدہ امانت ہے اور (اس کا حق ادا نہ ہو سکا) تو قیامت کے دن یہ رسوائی اور ندامت کا سبب بنے گا۔"
آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت میں ان عہدوں کے طلب کی حرص کا پیدا ہونا بھی نگاہ نبوت سے ملاحظہ فرما رہے تھے اور اس کو یوں بیان بھی کر دیا: إنکم ستَحرِصونَ علی الإمارةِ[3] "کہ عنقریب تم امارت کے لیے حرص و کوشش کرو گے۔"

قوم جن لوگوں کو منصب ان کی اہلیت و صلاحیت دیکھ کر دے اور وہ اس کے لیے تگ و دَو کریں تو اللہ تعالیٰ کی توفیق اور عنایات اس منصب کے تقاضوں کو ادا کرنے کے لیے شامل حال ہو جاتی ہے۔[4]
پھر دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صاحب منصب کے لیے جو لفظ استعمال فرمایا وہ 'راعی' کا ہے۔ راعی جس طرح اپنے ریوڑ کو خود بھی نقصان نہیں پہنچاتا اور دوسروں کو بھی روکتا ہے اور اس کی نظر اپنے ہر جانور پر ہوتی ہے۔ راعی اپنے ریوڑ سے اس درجہ پیار کرتا ہے کہ ریوڑ کا ہر جانور اس کے اشاروں پر چلتا ہے۔ 'راعی' کے اس اعلیٰ درجہ کے تعلق سے رعیت بھی راعی کے اشارۂ ابرو پر جان وارنے کے لیے تیار ہو جاتی ہے بشرطیکہ افسر 'راعی' کے روپ میں ہو 'بیوروکریٹ' کی شکل میں نہ ہو۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یہ ہیں:

"ألا کلُّکم راعٍ وکلُّکم مسؤولٌ عن رعیتِہ"[5]

"آگاہ رہو تم سب نگہبان ہو اور تم سب اپنے ماتحتوں کے متعلق جوابدہ ہو۔"

ذمہ داریوں کی نوعیت کی جہت سے سرکاری ملازم 'راعی' کی طرح ہے اور اپنی حیثیت کے مطابق وہ اسلام اور پاکستان کا نمائندہ ہے۔ اسے اپنی ذمہ داریوں سے اس طرح عہدہ برآ ہونا چاہیے کہ وہ فرائض منصبی انجام دیتے ہوئے ایک اچھے

---

1 - صحیح مسلم ، کتاب الآداب، باب البر والصلة، رقم الحدیث: 1826
2-ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، کتاب السنة، باب شرح السنة، دار السلام للنشر والتوزیع الریاض، 2000ء، رقم الحدیث: 174
3-صحیح البخاری، کتاب الامارة، باب العبدُ راعٍ في مالِ سیِّدِہ، ولا یَعْمَلُ إلا بإذنِہ، رقم الحدیث: 7148
4- صحیح البخاري، کتاب الأحکام، باب ما یکرہ من الحرص علي الامارة، رقم الحدیث: 7194
5- صحیح البخاري، کتاب النکاح، باب قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا، رقم الحدیث: 7138

مسلمان اور محب وطن پاکستانی کی شکل میں لوگوں کے سامنے ہو۔ اپنی اس حیثیت کو صرف پیشہ وارانہ سرگرمیوں میں ہی ظاہر نہ کیا جائے بلکہ اس کی زندگی کے ہر میدان میں اس حیثیت کا عکس نظر آئے۔

کام کو احسن انداز میں کرنے کے حوالے سے حدیث جبریل[1] سے یہ اہم نکتہ بھی سامنے آتا ہے کہ اعمال کی بجا آوری 'جذبہ احسان' کے تحت ہونی چاہیے۔ اس کا یہ مفہوم تو بالکل واضح طور پر حدیث میں بیان ہوا ہے کہ شعور و وجدان میں یہ ہو کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں یا میرے اعمال کی انجام دہی کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے مگر ساتھ ہی اس 'طرز احسان' میں یہ بھی شامل ہے کہ اپنے اعمال کو اس طرح انجام دیا جائے کہ وہ حسین و جمیل معلوم ہوں۔ ایک سرکاری ملازم اپنا تمام تر 'فائل ورک' اور دیگر اعمال خوبصورت طریقہ سے سرانجام دے۔ یہ حسنِ عمل خدا کی نگاہ میں پسندیدہ ہے۔ چونکہ سرکاری ملازم اخلاص و محبت سے امانت کی حفاظت میں اپنی ساری توانائیاں اس طرح صرف کرتا ہے کہ وہ 'مقام حسن' پر پایہ تکمیل کو پہنچے اس لیے کہ سراپا جمال پروردگار کے ہاں 'عادل' کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے۔[2]

جب مسجد نبوی کی تعمیر کا کام شروع ہوا تو حضر موت کا ایک شخص طلق بن علی وہاں آیا وہ مٹی گوندھنے اور گارا بنانے کے فن میں بڑا ماہر تھا۔ حضور ﷺ اس کی کارکردگی سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا: رحم الله امرأ حسن صنعته " اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو کام کو حسن و خوبی سے کرتا ہے۔" پھر اسے فرمایا کہ تم یہی کام کیا کرو کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اسے بڑے حسن و خوبی سے کرتے ہو۔ طلق کہتا ہے کہ میں نے کسی پکڑ لی اور میں گارا بنانے میں مصروف ہو گیا۔ حضور ﷺ میرے کام کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا اس کو گارا بنانے پر رہنے دو کیونکہ یہ اس کام کو تم سب سے زیادہ عمدگی سے کر رہا ہے۔[3]

شریعت اسلامیہ میں اہلیت و صلاحیت کے حامل اور حرص و طمع سے بچنے والے لوگوں کو عہدہ و منصب کی امانت سونپی گئی ہے کہ مقاصد شریعت کی محافظت ہو تاکہ معاشرہ جنت کا نمونہ بن جائے۔

مقاصد شریعت درج ذیل ہیں:

1. **تحفظِ دین:** یعنی دین الٰہی کو ہر جہت سے نافذ کیا جا سکے تاکہ اللہ اور بندے کے درمیان تعلق ہر شعبہ میں قائم رہے۔
2. **تحفظِ جان:** لوگوں کے جان و مال کی حفاظت ہو سکے۔ قصاص و دیت کے قرآنی احکام اسی مقصد کے لیے ہیں۔

1- صحيح البخاري، كتاب الايمان، باب سوال جبريل النبي ، رقم الحديث: 50

2- صحيح البخاري، كتاب الامارة، باب فضيلة الامير العادل، رقم الحديث: 1827

3- الازهري، محمد کرم شاہ، ضیاء النبی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور: 1415ھ، 3: 151

3. **تحفظِ عقل:** عقل کا تحفظ شریعت کے بنیادی مقاصد میں سے ہے کیونکہ انسان اور جانوروں میں تمیز کرنے والی یہی قوت ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے شراب نوشی اور منشیات کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

4. **تحفظِ نسل:** خاندان کے ادارہ کی بقا کے لیے بدکاری پر پابندی لگائی گئی اور نکاح کا حکم دیا گیا۔

5. **تحفظِ مال:** مال کسی فرد کا ہو یا اجتماعی ادارہ و حکومت کا، اس کا تحفظ لازم و ضروری ہے۔ قطع ید جیسی سزاؤں کا یہی مقصد ہے۔

6. **تحفظِ عدل:** قیام عدل شریعت کے بنیادی اور اہم مقاصد میں سے ہے۔ اگر عدل ہو گا تو دیگر مقاصد شریعت کی حفاظت ہو سکے گی۔[1]

کہا جا سکتا ہے کہ ایک اسلامی ریاست میں مختلف محکمے، منصب اور عہدوں کے بنیادی و اساسی مقاصد درج بالا ہیں۔ چونکہ یہ مقاصد بذات خود بہت اعلیٰ ہیں اس لیے اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل افراد کا تقرر ان مناصب پر کیا جانا چاہیے۔

سرکاری ملازمین کے انتخاب کے لیے راہنما اصول

قرآن کریم اور اسوۂ حسنہ سے سرکاری ملازمین کے انتخاب کے لیے بعض بنیادی راہنما اصول سامنے آتے ہیں ان کی مختصر اًوضاحت کی جاتی ہے۔ اس آیت کو بہر صورت اس معاملہ میں ایک بنیادی اور اصولی حیثیت حاصل ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا﴾[2]

"بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں امانت والوں (ان کے اہل) کو ادا کرو۔"

ا۔ علم

اسلام میں علم کے حصول پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ گمان گزرتا ہے کہ اسلام اور علم ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دنیا اور آخرت میں سعادت کی بنیاد علم ہی ہے۔ معلم انسانیت کی دعاؤں میں یہ دعا بھی ملتی ہے:

1۔ مقاصد شریعت (حقوق کی حفاظت) کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ڈاکٹر خالد علوی، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیصل ناشران کتب، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

2۔ النساء 4: 58

''اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا طَيِّبًا وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا''[1]

'' اے اللہ! میں تجھ سے نفع بخش علم، مقبول عمل اور رزق حلال کا سوال کرتا ہوں۔''

قرآن کریم نے طالوت کے انتخاب کی وجہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا: آیت[2]'' بے شک اللہ نے اسے (تم پر بادشاہی کے لیے) چن لیا اور تمہارے مقابلے میں اسے علم اور جسم میں زیادہ وسعت دی۔''

'بسطة' سے مراد وسعت ہے۔ افسران اپنے علم سے معاشرے کے لیے راہ سعادت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ لہٰذا اس طبقہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ زندگی کے مصالح ومفاسد کا علم رکھتے ہوں۔ 'بسطة في العلم' سے مراد یہ بھی ہے کہ وہ اپنے علم سے خود بھی فائدہ اٹھائیں اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے الفاظ 'إني حفيظ عليم'[3] سے ظاہر ہوتا ہے کہ افسران کو اپنے شعبہ سے متعلقہ امور کی مکمل آگاہی بھی ہونی چاہیے۔

ب۔ ذہنی وجسمانی صلاحیتیں

افسران کا علم جس راہ سعادت کی طرف راہنمائی کرے ان کے پاس اس کے اجراء ونفاذ کے لیے مناسب ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں بھی ہونا ضروری ہیں۔ سورۃ البقرہ 247 میں 'بسطة في العلم والجسم' سے یہی صلاحیتیں مراد ہیں۔ بزدل اپنے علم پر عمل کرنے اور نافذ کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس آیت میں ایک اور لطیف نکتہ بھی سامنے آتا ہے کہ اگر افسر علم وعمل میں کامل ہو مگر ماحول سازگار نہ ہو تو اللہ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جو فرائض کی درست انجام دہی کے لیے ضروری ہوں۔

﴿وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَه مَنْ يَّشَآءُ﴾[4]

'' اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنی بادشاہت دے دیتا ہے۔'' سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے۔

ج۔ قوی اور امین

حضرت شعیب علیہ السلام کی دختر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ہاں رکھنے کی یہ وجوہ بتائی ہیں:

﴿قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنَ﴾

1۔احمد بن حنبل، مسند احمد، دار السلام للنشر والتوزیع الریاض، 2000ء، رقم الحدیث: 27056

2-البقرة 2: 247

3-یوسف 12: 55

4-البقرة 2: 247

"ان دو لڑکیوں میں سے ایک نے کہا کہ ابا جان آپ اسے ملازم رکھ لیں کیونکہ بہترین ملازم جو آپ رکھ سکیں وہ ہے جو قوی اور امین ہو۔"[1]

حضرت شعیب علیہ السلام کی دختر کی زبان سے جو الفاظ ادا ہوئے ہیں ان میں کسی کام کو ذمہ داری کے ساتھ ادا کرنے کے لیے دو اہم ترین شرائط نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں بیان ہوئی ہیں اور وہ ہیں 'قوت اور امانت'۔

یہ امر بدیہی ہے کہ قوت سے مراد صرف جسمانی قوت ہی نہیں بلکہ اس میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ انسان میں محولہ کام کو سرانجام دینے کی استعداد ہو۔ مثلاً ایک قوی اور امین طبیب وہ ہے جو اپنے کام سے آگاہ اور اس پر حاوی ہو۔ ایک قوی سربراہ ادارہ وہ ہے جو اپنے فرائض منصبی سے خوب واقف ہو، دفتری کام کے مقاصد سے باخبر ہو، ترتیب کار اور پروگرام بنانے میں ماہر ہو اور اس میں بقدر ضرورت ایجاد و اختراع کی قابلیت ہو، کام کو منظم کرنے کی مہارت رکھتا ہو، اس کے ذہن میں غایتِ کار واضح ہو اور اپنی تمام طاقتوں کو مقصد تک پہنچنے کے لیے استعمال میں لائے۔ وہ لوگ جو کسی کو کوئی ذمہ داری سپرد کرتے وقت اس کی امانت اور راست کرداری پر قناعت کر لیتے ہیں وہ بھی اس غلط فہمی میں ہیں جیسے کہ وہ لوگ جو کسی مہارت خصوصی دیکھ کر اس پر بھروسہ کر لیتے ہیں۔ خائن ماہرین خصوصی اور بددیانت واقفانِ کار ویسا ہی نقصان پہنچاتے ہیں جیسا کہ نااہل اور ناواقفانِ کار ایمان دار لوگ۔ اگر ہم کسی ملک کو برباد کرنا چاہتے ہیں تو اس کے انتظامی فرائض کو مذکورہ بالا گروہوں میں سے کسی ایک کے سپرد کر دیں۔ سربراہ ادارہ خائن ہو اور صاحب کردار لوگوں کو ذمہ داریوں سے محروم رکھا جائے، نتیجہ دونوں حالتوں میں ایک ہے۔ سورہ یوسف میں اسی مفہوم کو 'إني حفيظ عليم'[2] سے ادا کیا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے امانت داری کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«لاَ إِيمَانَ لِمَنْ لاَ أَمَانَةَ لَهُ، وَلاَ دِينَ لِمَنْ لاَ عَهْدَ لَهُ.» [3]

"اس شخص میں ایمان نہیں جس میں امانت داری نہیں۔"

آپ ﷺ نے فرمایا: 'جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں۔ جس کو اپنے عہد کا پاس نہیں اس میں دین نہیں۔ اس ہستی کی قسم جس کے قبضے میں محمد (ﷺ) کی جان ہے کسی بندہ کا اس وقت تک دین درست نہ ہو گا جب تک اس کی زبان درست نہ ہو اور اس کی زبان درست نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کا دل درست نہ ہو۔ جو

1- القصص 26: 88

2- یوسف 12: 55

3- الهندي، حسام الدين على بن المتقي، كنز العمال، مؤسسة الرسالة، بيروت، لبنان، 1989ء، رقم الحديث: 5500

کوئی ناجائز ذرائع سے مال کمائے گا اور اس میں سے خرچ کرے گا تو اسے برکت نہیں دی جائے گی۔ اگر اس میں سے خیرات کرے تو وہ قبول نہیں ہوگی اور جو اس میں سے بچ جائے گا وہ اس کا جہنم کی طرف سفر یا توشہ ہوگا۔[1]

"قیامت کی نشانیوں میں ہے کہ سب سے پہلے اس امت سے امانت کا جوہر جاتا رہے گا۔"[2]

آپ ﷺ نے فرمایا:

"میری امت اس وقت تک فطری صلاحیت پر قائم رہے گی جب تک وہ امانت کو غنیمت کا مال اور زکوۃ کو جرمانہ نہیں سمجھے گی۔"[3]

نبی کریم ﷺ نے امانت میں خیانت کو نفاق کی علامت قرار دیا ہے۔[4]

آپ ﷺ نے فرمایا:

"مومن میں ہر بری عادت ہو سکتی ہے لیکن خیانت اور جھوٹ اس میں نہیں ہو سکتا۔"[5]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک روایت موقوفاً بیان کی ہے کہ:

"اللہ کی راہ میں شہید کیا جانا تمام گناہوں کا کفارہ ہے لیکن امانت کا کفارہ نہیں۔ ایک بندے کو قیامت کے روز لایا جائے گا جو شہید ہوا ہو گا اور کہا جائے گا کہ تم امانت (جس میں اس نے خیانت کی ہو گی) ادا کرو۔ وہ کہے گا کہ اے اللہ! اب میں اسے کسی طرح لاؤں؟ اب تو دنیا ختم ہو چکی ہے۔ کہا جائے گا اسے جہنم کے طبقہ 'ہاویہ' میں لے جاؤ۔ وہاں امانت والی چیز مثال بن کر اصل حالت میں اس کے سامنے آئے گی تو وہ اسے دیکھ کر پہچان لے گا اور اس کو پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے لپکے گا یہاں تک کہ اسے پکڑ لے گا۔ وہ اسے اپنے کندھوں پر لاد کر چلے گا لیکن جب وہ جہنم سے نکلنے کی کوشش کرے گا تو وہ بوجھ اس کے کندھے سے گر پڑے گا۔ پھر وہ اس کے پیچھے ہمیشہ گرتا چلا جائے گا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے وضو، نماز، ناپ تول اور دیگر بہت سی چیزیں گن کر فرمایا اور ان سب سے زیادہ سخت معاملہ امانت کی چیزوں کا ہے۔[6]

1- كنز العمال، رقم الحديث: 5503

2- ایضاً، رقم الحديث: 5402

3- ایضاً، رقم الحديث: 5404

4- صحيح البخاري، كتاب الايمان، باب علامات النفاق، رقم الحديث: 33

5- المؤطا، 2:990، بيهقي في شعب الإيمان، 6:456

6- البيهقي، ابوبكر احمد بن الحسين، شعب الايمان، دار الكتب العلميه بيروت، لبنان، 1391ھ، رقم

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امانت کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"اللہ جب کسی بندے کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اس سے حیاء نکال لیتا ہے۔ جب حیاء اس سے نکل جاتی ہے تو اس پر ہمیشہ اللہ کا غصہ ہوتا ہے۔ جب اس پر اللہ غصہ رہتا ہے تو اس کے دل سے امانت نکل جاتی ہے تو اسے تُو ہمیشہ چور اور خائن پاتا ہے۔ جب اسے تُو چور اور خائن پاتا ہے تو اس میں سے رحمت نکل جاتی ہے۔ جب اس میں سے رحمت نکل جاتی ہے تو اسے تُو ہمیشہ مردود و ملعون پائے گا۔ جب وہ ہر وقت مردود و ملعون ہو جاتا ہے تو اس کی گردن سے اسلام کی رسی نکل جاتی ہے۔"[1]

نبی کریم ﷺ نے امانت کی پاسداری اور محافظت کا سبق لوگوں کے ذہنوں میں بٹھانے کے ساتھ لوگوں کو خیانت اور بددیانتی کے بارے میں بھی آگاہ فرمایا۔ اس سلسلے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾[2]

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے ساتھ خیانت مت کرو اور نہ جانتے بوجھتے آپس کی امانتوں میں خیانت کرو۔"

قرآن مجید میں دوسرے مقام پر فرمایا:

"اور آپ بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ ہوں۔"

اور ایک مقام پر فرمایا:

"بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"[3]

نبی کریم ﷺ نے ان آیات کا صحیح مفہوم اپنے اسوہ حسنہ کے ساتھ پیش فرمایا۔ آپ ﷺ جن باتوں سے پناہ مانگا کرتے تھے، ان میں سے ایک خیانت ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"اے اللہ مجھے خیانت سے بچائے رکھنا کہ یہ بہت بری ساتھی ہے۔"[4]

الحديث: 5262

1 -ابن ماجة، محمد بن يزيد القزويني ،سنن ، دار السلام للنشر والتوزيع الرياض، 2000ء ،كتاب الفتن والملاحم، باب ذكر الفتن، رقم الحديث: 4054

2 - الانفال 8: 27

3 - الانفال 8: 58

4 - سنن ابي داؤد، كتاب تفريع، باب الاستعاذة، رقم الحديث: 1547

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

"سب سے اچھا میرا زمانہ ہے، پھر وہ زمانہ جو اس کے بعد آئے گا، پھر اس کے بعد آنے والا زمانہ۔ اس کے بعد ایسا زمانہ آئے گا جب لوگ بن بلائے گواہی دیں گے، خیانت کریں گے، امانت داری نہیں کریں گے، نذر مانیں گے لیکن پوری نہیں کریں گے۔"[1]

آپ ﷺ نے فرمایا:

"بددیانتی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ نیز آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"إِذَا ضُيِّعَتْ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرْ السَّاعَةَ" [2]

"جب امانت ضائع کر دی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو۔"

سرکاری ملازمین کے کرداری اوصاف

اسلامی معاشرہ کا ہر فرد جس کے پاس کوئی عہدہ/منصب ہو یا نہ ہو اس میں درج ذیل بنیادی اوصاف ضرور ہونے چاہئیں اور صاحب منصب میں تو کمال درجہ پر ہونے چاہییں۔

1۔ تقویٰ

قرآن کریم نے کم و بیش ہر شعبۂ حیات سے متعلقہ احکام کے ساتھ تقویٰ کی قید ضرور لگائی ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دین کا دارومدار تقویٰ پر ہے۔ قرآن کریم نے اخلاق و سیرت کے ہر گوشے کی تکمیل اس لفظ سے کی ہے۔ قرآن یہ پیغام دے رہا ہے کہ ہر خیر و خوبی کی طرف مسلسل قدم اٹھانے کی قوت دینے والا تقویٰ ہے۔ چونکہ ساری تگ و دو کا مرکز و محور یہ ہے اس لیے اسے 'لباس' سے تعبیر کیا ہے۔ ہم 'اللہ سے ڈرنا'، 'خدا خوفی' جیسے لفظوں سے اس کا ترجمہ کر کے اس لفظ کی وسعتوں کو سمیٹ دیتے ہیں۔ حقیقت تقویٰ عبارت ہے 'ہر اس کام سے بچنے سے جس سے خدا کی ناراضی کا خوف ہو۔"

اس لیے اس کی کئی شاخیں، تقویٰ جنسی، تقویٰ اجتماعی اور تقویٰ سیاسی وغیرہ ہو سکتی ہیں۔ کسی نے بہت کم اس مفہوم کو اس طرح ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔[3]

زندگی کی راہ پر چل لیکن ذرا بچ کے چل۔ یوں سمجھ لے کوئی مینا خانہ بار دوش ہے۔ ملازمین کے ہزاروں قوانین

1- صحيح البخاري، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل اصحاب الشجرة، رقم الحديث: 3450

2- صحيح البخاري، كتاب العلم، باب من سئل علماً، رقم الحديث: 59

3- الاعراف 7: 26

بنالیں اور نگرانی کے سیکڑوں طریقے دریافت کرلیں یا کیمرے نصب کر دیں کوئی حیلہ کارگر نہیں ہو سکتا جب تک دل تقویٰ کی نعمت سے مالا مال نہیں ہو جاتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور کا معروف واقعہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ رات کے وقت گشت کر رہے تھے۔ ایک عورت اپنی بیٹی کو دودھ میں پانی ملانے کا کہہ رہی تھی اور بیٹی جواب دیتی ہے کہ امیر المؤمنین نے اس سے منع کیا ہے، یعنی یہ قانوناً جرم ہے۔ ماں کہتی ہے کہ اب امیر المؤمنین تو نہیں دیکھ رہے۔ بیٹی نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین کا پروردگار تو دیکھ رہا ہے۔ گویا قانوناً جرم کرلینے کا موقع تھا مگر تقویٰ نے روک دیا۔ تقویٰ کی اس حقیقت و اہمیت کی وجہ سے قرآن کریم میں 'خیر الزاد'[1] کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ صاحب تقویٰ کو اللہ تعالیٰ ایک فراست بھی عطا کر دیتا ہے جس سے حق و باطل میں امتیاز کی صلاحیت مل جاتی ہے۔[2] اور کاموں میں بھی آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔[3] اسلامی نکتہ نگاہ سے عمل و کردار کی اساس و بنیاد، محرک و سرچشمہ اور روح و جان تقویٰ ہے۔ ملازم جب تک صاحب تقویٰ نہیں ہو گا فرائض کی انجام دہی بہتر طور پر نہ ہو سکے گی۔ خاص افسران کے حوالہ سے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ قابل توجہ کہ آپ اکثر دعا کرتے وقت روتے تھے۔ اہلیہ نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:[4] جب مَیں اپنے بارے میں غور کرتا ہوں کہ میں اس امت کے چھوٹے بڑے اور سیاہ و سفید جملہ امور کا ذمہ دار ہوں اور بے کس، غریب، محتاج، فقیر، گم شدہ قیدی اور اس قبیل کے دوسرے آدمیوں کو یاد کروں جو سارے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اور جن کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور اللہ اس بارے میں مجھ سے سوال کرے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی دلیل پیش نہ کر سکوں گا تو مجھے خوف لاحق ہو جاتا ہے اور میرے آنسو نکل آتے ہیں اور جس قدر ان چیزوں پر غور کرتا ہوں اسی قدر میرا دل خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ یہ ہے تقویٰ سے احساس ذمہ داری کے شعور کی بیداری اور اس کو بہترین طرز پر کرنے کا جذبہ پیدا ہونا۔ جب یہ قوی جذبہ پیدا ہو جاتا ہے تو حکومت جسم پر نہیں دلوں پر ہوتی ہے۔ ہماری تاریخ کے کتنے روشن باب ہیں جو ظاہراً کوئی عہدہ نہیں رکھتے تھے مگر آج بھی ان کے تقویٰ کی وجہ سے دلوں میں احترام موجود ہے۔ ایسے ہی خلیفہ ہارون الرشید کی ایک کنیز نے اس سے کہا تھا کہ اصل بادشاہی تو عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو لوگوں کے دلوں پر ہے، آپ کی نہیں جو زور و جبر سے قائم ہے۔

1- البقرۃ 2: 197

2- الانفال 8: 29

3- الطلاق 65: 4

4- عراقی، عبد الرشید، سیرت عمر بن عبد العزیز، فضلی بک ڈپو کراچی، 2008ء، ص: 127

2۔حیا

حیا وہ وصف ہے جو برے کاموں کے ترک پر اکساتا ہے۔اس وصف کے ہوتے ہوئے قبائح کی طرف رجحان ناممکن ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حیا کا مقام و مرتبہ یہ بیان فرمایا کہ: الحیاء من الإیمان[1] "کہ حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔"[2] آپ ﷺ نے حیا کو 'خیر' کے جامع کلمہ سے بھی تعبیر فرمایا۔[3] اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ 'حیا خیر ہی لاتا ہے۔[4] گویا حیا سرچشمہ ٔخیر ہے۔جب تک یہ وصف انسان میں موجود رہتا ہے وہ خیر کا پیامبر ہوتا ہے۔جب یہ وصف ختم ہو جاتا ہے۔'ایمان' اور 'خیر' بھی خیرباد کہہ جاتے ہیں اس لیے 'ایمان' اور 'حیا' کو جڑواں بھی قرار دیا گیا ہے۔[5]

حیا کی خوبی سے جب تک سرکاری ملازم متصف ہوتا ہے اسے نہ صرف عوام کی مشکلات و پریشانیوں کا خیال ہوتا ہے بلکہ اپنے دین اور وطن کا احساس بھی موجود رہتا ہے۔ مگر جیسے ہی یہ سراپا وصف غائب ہوتا ہے،لوٹ مار کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور اس وقت اس ارشاد نبوی کی حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ:

"إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُولَى إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ"[6]

"لوگوں نے سابقہ انبیاء(علیہم السلام) کے کلام سے جو پایا ہے اس میں بھی ہے کہ جب تجھ میں حیا ختم ہو جائے تو پھر جو چاہے سو کر۔"

الغرض حیا خرابیوں کے خلاف ایک داعی اور محرک کے طور پر کام کرتی ہے۔کسی شاعر نے اس مضمون کو اپنے انداز میں اس طرح ادا کیا ہے:

إذا لم تخش عاقبة الليالي ولم تستحي فاصنع ما تشاء

فلا والله ما في العيش خير ولا الدنيا إذا ذهب الحياء

يعيش المرء ما استحيٰ بخير ويبق العود ما بقي اللحاء

---

1 – صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان عدد شعب الايمان، رقم الحديث: 36

2 – ايضاً

3 – ايضاً، رقم الحديث: 37

4 – ايضاً

5 – حاكم ،محمد بن عبدالله، نيشاپوری، المستدرك ، دار الفكر بيروت، 1398ھ، رقم الحديث: 58

6 – صحيح البخاري، كتاب الادب، باب اذا لم تستحی فاصنع ماشئت، رقم الحديث: 620

”تُو راتوں کے انجام سے نہیں ڈرتا اور شرم نہیں کرتا تو جو تُو چاہتا ہے کر تارہ۔ خدا کی قسم دنیا اور دنیا کی زندگی میں کوئی خیر نہیں اگر حیانہ ہو۔ آدمی جب تک حیا کے ساتھ ہے، خیر کے ساتھ جیتا ہے اور شاخ میں تازگی اسی وقت تک باقی رہتی ہے جب تک اس میں پانی موجود رہتا ہے۔(جو اسے زندگی بخشنے والا ہے)[1]

3۔ اطاعت و اتباع رسول ﷺ

قرآن کریم نے نبی کریم ﷺ کی اطاعت و اتباع کا حکم دیا ہے۔ حیات و موت کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو آزمایا جائے کہ کون 'احسن عمل' سر انجام دیتا ہے۔(الملک:2)احسن عمل میں دو خوبیاں ہوتی ہیں: ایک یہ کہ وہ خالص اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے۔ اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اخلاص۔[2]

دوسری خوبی یہ ہے کہ اس کو نبی کریم ﷺ کی اطاعت و اتباع میں انجام دیا جائے۔ عمل کا ظاہر اور باطن ان دونوں خوبیوں کے بغیر 'احسن عمل' کے مقام کو نہیں پاسکتا۔ قرآن کریم نے نبی کریم ﷺ کی اطاعت و اتباع کا حکم ارشاد فرمایا۔ اطاعت تو حکم کی بجا آوری ہے جبکہ اتباع اس حکم کی تکمیل کے لیے ذوق و شوق سے ڈوب جانا ہے۔ عمل کی انجام دہی میں یہ فکر غالب ہو کہ چونکہ اس عمل کو نبی کریم ﷺ نے انجام دیا ہے اس لیے میں بھی اس عمل کو انجام دیتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ:

”تجھے اس لیے چوم رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں بوسہ دیا کرتے تھے۔“[3]

اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس فکر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

تُو فرمودی رہِ بطحا گرفتیم — وگرنہ جز تُو ما را منزلے نیست[4]

قرآن کریم نے تحویل قبلہ میں اس راز کو بیان کیا کہ اتباع رسول دیکھنا تھی کہ کون رسول کی خاطر

---

1 – شبیر احمد عثمانی، فضل الباری، مکتبہ مدینہ لاہور س۔ن، 2:385

2 –الالباني، محمد ناصر الدين، علامه، صحيح الترغيب والترهيب، مكتَبة المَعارف لِلنَشْرِ والتوزيْع، الرياض، المملكة العربية السعودية، 2000ء، 1:206

3 – صحيح البخاري، كتاب الحج باب تقبيل الحجر الأسود، رقم الحديث: 1610

4 – علامہ محمد اقبال، ارمغان حجاز، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور 1975ء، ص:46

قبلہ چھوڑتا ہے اور کون قبلہ کی خاطر رسول کو چھوڑتا ہے۔[1] قرآن نے محبوب الٰہی بننے کو اتباع رسول سے مشروط کیا ہے۔ سیرت النبی ﷺ کے مطالعہ سے اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے۔یہ اطاعت واتباع زندگی کے ہر شعبہ میں مقصود ومطلوب ہے۔ تعبدی معاملات ہوں یا تمدنی اتباع و اطاعت کے دائرہ سے باہر نہیں ہوسکتے۔ آپ ﷺ کی 63 سالہ حیات مقدسہ ایک معجزہ ہے۔ قومیں اور افراد ہزاروں گوناگوں مسائل کا شکار ہوجائیں، حیات نبوی ﷺ کے یہ ماہ وسال انسانیت کے لیے اسوہ حسنہ رہیں گے۔[2] سورۃ الاحزاب میں ہے:

"کسی مومن مرد اور نہ کسی مومن عورت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملہ میں فیصلہ فرمادیں تو وہ اس معاملہ میں اپنی مرضی کریں۔"[3]

بقول ابن قیم الجوزیہ رحمۃ اللہ علیہ :

"آیت میں صرف یا ایھا الذین آمنوا کا عمومی خطاب نہیں بلکہ مومن مرد اور عورتوں کو علیحدہ علیحدہ خطاب کرکے کہا کہ جب اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کا حکم آجائے تو پھر کسی بھی اسمبلی، کمیشن اور ادارے کے اختیارات سلب ہوجاتے ہیں۔اس آیت نے اطاعت واتباع کی بے پایاں وسعتوں کو کھول کر بیان کردیا۔ قرآن کریم تو 'ایمان' کی دولت سے مالا مال ہی اسے سمجھتا ہے جو رسول ﷺ کے بلانے پر آئے تو پھر اجازت سے جائے۔ ان تصریحات سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ ایمان کے لیے صرف مان لینا ہی کافی نہیں بلکہ اطاعت واتباع بھی ضروری ہے۔"

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت بھی قابل مطالعہ ہے:

"جو بھی سِیَر اور اخبارِ ثابتہ میں ذرا غور کرے گا تو اسے اہل کتاب اور مشرکین کی نبی اقدس ﷺ کی رسالت کے متعلق کئی شہادتیں ملیں گی کہ یہ سچے رسول ہیں لیکن اس شہادت سے وہ لوگ اسلام میں داخل نہیں سمجھے جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ اسلام کی اس سے پرے کوئی حد ہے اور وہ صرف معرفت نہیں اور نہ ایمان فقط معرفت اور اقرار کا نام ہے بلکہ معرفت اور ظاہر وباطن میں طاعت وانقیاد کا نام ہے۔"[4]

5- البقرۃ2: 143

1- الاحزاب33: 21

2- ایضاً: 36

3- ابن القیم، زادالمعاد، مترجم رئیس احمد جعفری، نفیس اکادمی، لاہور، 1986ء، 3: 189

اس اقتباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرہ کے افراد، وہ سرکاری عہدیدار ہوں یا عام شہری، ہر ایک کو اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے حیات نبوی کے ماہ وسال اور لیل ونہار بطور نمونہ سامنے رکھنے ہوں گے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشادات آپ کی سیرت کے نقوش یہ سب حیات مسلم کے لیے دائمی رہنما اصول ہیں اور ایک مسلمان ان رہنما نقوش سے ہٹ کر کسی مغربی طرز حیات سے رہنمائی کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ہر دور کے مثالی اسلامی ادوار میں یہی رہنمائی کے بنیادی اصول مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئے ہیں۔ تہذیب اور تمدن کی بنیادیں بھی انہی اصولوں پر استوار کی جائیں گی۔ کسی بھی صورت میں ان سے چھٹکارا حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن کریم نے اسی لیے ہمیں حکم دیا:

﴿يَآ اَيُّـهَا الَّـذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِه وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾[1]

”اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سننا جانتا ہے۔“

(الف) کرنے کے کام (اوامر)

1۔ ماتحتوں پر شفقت ومہربانی

افسر (Public Servant) اور ماتحتوں میں رشتہ ایک جسم کے اعضاء کی طرح ہے۔ جسم کے تمام اعضاء ایک دوسرے کو نفع پہنچاتے ہیں جس سے بدن کا سارا نظام چلتا ہے۔ ہمارے ہاں نظام کو چلانے کے لیے شفقت و محبت اور مہربانی ونرمی کی بجائے سختی، درشتی وتند خوئی کو معیار افسری سمجھا جاتا ہے مگر قرآن کریم سیرت رسول اللہ ﷺ کا جو نقشہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے اور اعلیٰ قیادت کا جو وصف ہمارے لیے تجویز کرتا ہے وہ رِفق و نرمی ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَـهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾[2]

”پھر اللہ کی رحمت کے سبب سے تو ان کے لیے نرم ہو گیا، اور اگر تُو تُند خو اور سخت دل ہوتا تو البتہ تیرے گرد سے بھاگ جاتے۔“

1- الحجرات 49: 1

2- آل عمران 3: 159

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" اے اللہ! میری امت میں سے اگر کسی فرد کو کوئی ذمہ داری سونپی گئی اور اس نے امت پر سختی کی تو اے اللہ! تو بھی اس پر سختی کر اور اگر اس نے نرمی کی تو تُو بھی نرمی کر۔"[1]

کسی کے لیے مشکلات پیدا کرنا اور سختی کا رویہ اپنانا آسان ہے لیکن آسانی و نرمی کی راہیں نکالنا مشکل ہے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے ایسے آدمی کے لیے جو سخت گیر ہو فرمایا:

"بے شک حطمہ بدترین حاکم ہے پس ہو سکے تو اس سے بچو کہ تم ان میں سے ہو۔"[2]

'حطمہ' سے مراد ایسا شخص ہے جو انتظامی امور کا انچارج بنایا گیا ہو اور اس کی خاصیت ایسی ہو کہ وہ ظالم، خود غرض اور لوگوں کو اپنے ظلم سے تباہ کرنے والا ہو۔

اس حوالہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک خط کے یہ الفاظ بھی قابل توجہ ہیں:

"اے عمال! (گورنروں سے مخاطب ہیں) رعیت پر تمہارے اور رعیت کے تم پر حقوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ بردبار حاکم کو بہت پسند کرتا ہے اور کوئی نفع اس نفع کے برابر ہمہ گیر اور عام نہیں ہوتا جو بردبار اور مہربان حاکم سے رعیت کو پہنچے۔"[3]

2۔ عزتِ نفس کا محافظ

سرکاری ملازم، عامۃ الناس اور اپنے ماتحت افسران کی عزت نفس کے محافظ ہوتے ہیں۔ اہل ایمان کے لیے یہ وہ دولت ہے جس کی عزت و حرمت کعبہ کے تقدس سے بھی بڑھ کر ہے۔[4]

ہمارے دفاتر میں استہزاء، غیبت، حسد، برے القاب، بد ظنی اور تجسس جیسے مہلک ہتھیار ہیں جن سے عامۃ الناس، ماتحت اور افسران بالا کی عزت نفس کو مجروح کیا جاتا ہے۔ دراصل یہ معاشرہ اور دفاتر میں موجود منفی رویے ہیں جو پر امن ماحول کو ہی تہ و بالا نہیں کرتے بلکہ دفاتر اور معاشرے کو آگے بڑھنے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہونے سے بھی روکتے ہیں۔ قرآن و سنت کا مطالعہ کریں تو وہاں ان قدروں کی تحسین و حوصلہ افزائی کی گئی ہے جو دفاتر اور معاشرہ کی کارکردگی میں اضافہ کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ مثلاً حسد سے منع کیا گیا ہے مگر غبطہ کو اچھا سمجھا

1 – صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب فضيلة الامام العادل، رقم الحديث: 182

2 – ايضاً

3- خورشید احمد فاروق، حضرت عمر کے سرکاری خطوط، پرنٹ لائن پبلشرز، لاہور 1999ء، ص:207

4 – سنن ابن ماجة، كتاب الفتن، باب كراهية الاقتراض في آخر الزمان، رقم الحديث: 3932

گیا۔ حسد میں دوسروں سے نعمت کے چھن جانے تصور ہے اور غبطہ میں دوسروں کے پاس موجود نعمت پر اظہار مسرت کے ساتھ اپنے میں اس نعمت کے موجود ہونے کی تمنا ہے۔ تجسس اسلام کی نظر میں مذموم ہے جبکہ تجسس میں اچھائیاں اور برائیاں تلاش کی جاتی ہیں۔ یہ جذبہ انسان کو سرچشمۂ خیر ثابت کرنے کی تگ و دو سے عبارت ہے۔ یہی چیز معاشرہ اور دفتر کی ترقی کا سبب بنتی ہے مگر ہم کسی کی فائل تجسس کے قبیح رویہ سے کھولتے ہیں تجسس کے جذبہ سے نہیں۔ ہم حسد کی آگ میں جلتے ہوئے کسی کی فائل کی ورق گردانی کریں گے رشک کی فکر آفریں قوت سے نہیں۔[1]

قصہ مختصر اسلام معاشرہ کے تمام اجزاء کو ایسی مادی اور روحانی ترقی کی طرف دھکیلتا ہے جس میں دوسروں کے احساسات و جذبات تک کو قابل احترام سمجھا جائے۔ معاشرہ اور دفاتر جو ترقی اعلیٰ روحانی اور اخلاقی بنیادوں کو چھوڑ کر کرتے ہیں وہ پانی کا بلبلہ ہوتی ہے۔ چند احادیث کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

1۔ بدگمانی سے بچو، بدگمانی سب سے بڑی جھوٹی بات ہے۔ بھید نہ ٹٹولو، ایک دوسرے کی ٹوہ لگانے کی کوشش میں نہ لگ جاؤ، حسد و بغض سے بچو، سب مل کر خدا کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔[2]

2۔ افسر (حاکم) جب اپنے ماتحتوں اور رعایا کی برائیاں ٹٹولنے لگ جاتا ہے تو انہیں بگاڑ دیتا ہے۔[3]

3۔ اے وہ لوگو! جن کی زبانیں تو ایمان لا چکی ہیں لیکن دل ایمان دار نہیں ہوئے تم مسلمانوں کی غیبتیں کرنی چھوڑ دو اور ان کے عیبوں کی کرید نہ کرو۔ یاد رکھو اگر تم نے ان کے عیب ٹٹولے تو اللہ تعالیٰ تمہاری پوشیدہ خرابیوں کو ظاہر کر دے گا یہاں تک کہ تم اپنے خاندان میں بھی بدنام اور رسوا ہو جاؤ گے۔[4]

4۔ جس نے کسی مسلمان کی برائی کر کے ایک نوالہ حاصل کیا اسے جہنم کی اتنی ہی غذا کھلائی جائے گی۔ اسی طرح جس نے مسلمانوں کی برائی کرنے پر پوشاک حاصل کی اسے اس جیسی پوشاک جہنم کی پہنائی جائے گی۔[5]

نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ارشادات نے احترام آدمیت و انسانیت کا پیغام دیا ہے جس سے نفسیاتی الجھنیں ختم ہوتی ہیں۔ نفرت و حقارت کے دھارے تھم جاتے ہیں، فساد کے جراثیم اور افتراق کی قوتیں دم توڑ دیتی ہیں۔ افسران

1- راغب الاصفہانی، حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، بذیل مادة. تحقیق محمد کیلانی، نشر مصطفی الحلبی 1381ھ

2- صحیح بخاري، کتاب الادب، باب یاأیهاالذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن، رقم الحدیث: 6066

3- سنن ابي داؤد، کتاب الادب، باب التجسس، رقم الحدیث: 4889

4- سنن أبی داؤد، کتاب الادب، باب فی الغیبة، رقم الحدیث: 4880

5- ایضاً، رقم الحدیث: 4881

بالا کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ خود بھی دوسروں کی عزت نفس کے محافظ بنیں اور دوسروں کو اس کی تلقین بھی کریں۔

3۔مشاورت

عربی میں 'شرت العسل' کے معنی 'چھتے سے شہد نکالنے' کے ہیں۔[1] اسلامی معاشرت خواہ دفتری ہو یا وسیع سطح پر ریاستی اس کی خوبی یہ ہے کہ وہ باہمی صلاح مشورہ اور غور وفکر کے بعد نتائج تک پہنچتی ہے۔ جس طرح شہد کی مکھی رنگ برنگے پھولوں سے رس نچوڑ کر ایک نفع آور اور صحت افزا رس تیار کرتی ہے بالکل اسی طرح Public Servant کا رویہ ہوتا ہے۔ وہ عامۃ الناس کے لیے مفید اور نفع بخش ہو گا۔ قرآن کریم نے 'وشاورھم في الأمر' کہہ کر اسوۂ حسنہ کو بھی بیان کیا ہے اور 'وأمرھم شوری بینھم' کے ذریعے مسلم سوسائٹی کے ذوق ومزاج کا تذکرہ بھی کر دیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل بھی مشاورت ہی رہا۔

اس کے درج ذیل اہم فائدے ہیں:

1۔مشاورت سے فیصلہ کمالِ عقل کا مظہر ہوتا ہے۔

2۔یہ درحقیقت ہم کار افراد کی حوصلہ افزائی اور ان کی استعداد کو جلا بخشنے کا ذریعہ ہے۔

3۔مشاورت سے کیے گئے فیصلہ میں نقصان کم ہوتا ہے اگر ہو جائے تو سب اہل مشورہ اس نقصان کے ازالہ کی اجتماعی کوشش کرتے ہیں۔

4۔مشورہ باہم حسد کو کم کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ کس سے مشورہ کیا جائے؟ معروف اندلسی مفسر ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 668ھ) نے جو لکھا وہ آج بھی رہنمائی کے لیے کافی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> " وَاجِبٌ عَلى الوُلاَةِ مشاورة العلماء فيما لا يعلمون ، وفيما أشكل عليهم من أمور الدين ، ووجوه الجيش فيما يتعلق بالحرب ، ووجوه الناس فيما يتعلق بالمصالح، ووجوه الكتّاب والوزراء والعمال فيما يتعلق بمصالح البلاد وعمارتها "[2]

1- ابن منظور، محمد بن مكرم الافريقى، المصرى،لسان العرب، بذيل مادة، دار احياءالتراث العربى، بيروت لبنان،1988ء، 166:2

2- القرطبي، محمدبن احمد، ابو عبدالله، الجامع لاحكام القرآن، الهيئة المصرية العامة للكتاب،1978م، مصر، 250:4

”حکام پر واجب ہے کہ دینی معاملات میں علماء سے، جنگی امور میں قائدین لشکر اور ماہرین حرب سے، عوامی فلاح و بہبود کے کاموں میں سرداران قبائل سے اور ملک کی ترقی اور آبادی کے متعلق عقلمند وزراء اور تجربہ کار عہدے داروں سے مشورہ کریں۔“

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ شعر بھی نقل کیے ہیں:

شاور صديقك في الخفي المشكل واقبل نصيحة ناصح متفضل

فالله قد أوصى بذاك نبيه في قوله : شاورهم و توكل[1]

” مشکل اور پیچیدہ معاملات میں اپنے مخلص دوست سے مشورہ کرو، خیر خواہ اور اہل فضل کی نصیحت لیا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول: شاورھم و توکل میں اپنے نبی کو اسی کی نصیحت کی۔

(ب) جن کاموں سے اجتناب کرنا ہے (نواہی)

مال غنیمت میں خیانت نہ کرے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جب تم دیکھو کہ کسی نے مال غنیمت کے مال میں سے چوری کی ہے تو اس کا سامان جلا ڈالو اور اسے مارو۔ راوی نے بتایا کہ اس شخص کے سامان میں ایک مصحف (قرآن مجید کا نسخہ) بھی تھا۔ یہ مصحف بیچ ڈالا گیا اور اس کا ہدیہ اللہ کی راہ میں کسی کو دے دیا گیا۔“[2]

مال غنیمت میں سے جو شخص کوئی چیز چراتا ہے اسے ’غال‘ (خائن) اور اس فعل کو ’غلول‘ (خیانت) کہا جاتا ہے۔ غال کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ اس کا جنازہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھا۔

زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کے دن ایک جہنی شخص فوت ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس شخص کی وفات کا ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"صلوا علی صاحبکم"

”اپنے ساتھی کا جنازہ تم خود ہی پڑھو۔“

1- الجامع لاحكام القرآن، 4:250

2- سنن ابي داؤد، كتاب الجهاد، باب عقوبة الغال، رقم الحديث: 2713

آپ ﷺ کی بات سن کر لوگوں کے چہرے متغیر ہو گئے۔ یہ دیکھتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

"إن صاحبكم غل من الغنيمة"

"تمہارے ساتھی نے غنیمت کے مال میں سے کوئی چیز چرائی تھی۔"[1]

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اخذ کیا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ تم جنازہ پڑھ لو اور خود نہیں پڑھا، کہ امام کے لیے مناسب نہیں کہ وہ 'غال' (بد دیانت) کی نماز جنازہ پڑھے۔ اس کے علاوہ باقی تمام لوگ جنازہ پڑھیں گے۔[2] یہ درحقیقت بد دیانتی کے جرم کی شدت کے اظہار کی ایک صورت ہے۔

زکوۃ جمع کرنے والے ظالمانہ رویہ اختیار نہ کریں

مالیاتی شعبے میں ایک اور شعبہ جس میں عام طور پر خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور جو حکمرانوں اور عوام کے درمیان فاصلے بڑھا دیتی ہیں وہ مال جمع کرنے والوں کا عوام کے ساتھ ظالمانہ رویہ ہے۔ یہ لوگوں سے محصول اور زکوۃ کے نام پر مقررہ شرح سے زائد وصول کرتے ہیں۔ ایسا کرنے والے شخص کو 'صاحب مکس' کہا گیا ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو متعینہ شرح سے زیادہ ازراہ زیادتی وصول کرتا ہے۔[3] ان لوگوں کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ ٹیکس وصول کرتے وقت اپنی ذاتی جیب کے لیے لوگوں سے زیادہ رقم کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جو ٹیکس دہندہ ان کا مطالبہ پورا کر دیتا ہے اسے کسی نہ کسی طرح چھوٹ اور رعایت مل جاتی ہے اور جو ایسا نہیں کر پاتے ان کے لیے مشکلات پیدا کی جاتی ہیں۔ آج کے دور میں ان لوگوں کے طرز عمل کو سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہو گی۔ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کو سخت ترین الفاظ میں متنبہ فرمایا کیونکہ یہ اپنے منصب سے ناجائز فائدہ بھی اٹھاتے ہیں اور ملکی خزانے کی آمدنی پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا يدخل الجنة صاحب مكس"[4]

"صاحب مکس جنت میں داخل نہیں ہو گا۔"

3- سنن ابی داؤد، کتاب الجھاد، باب تعظیم الغلول، رقم الحدیث: 2710، 2711

1- ابن قدامة، عبداللہ بن احمد، ابومحمد، المغنی، دارالفکر، بیروت، 1405ھ، 3:504

2- المغني لابن قدامة: 3:504

3-الدارمي، عبداللہ بن عبدالرحمن، مسند الدارمي، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب، بیروت، 1390ھ، کتاب الزکاۃ، باب نمبر: 28

آپ ﷺ نے فرمایا:

"إن صاحب المكس في النار"[1]

"صاحب مکس کو آگ میں ڈالا جائے گا۔"

عثمان بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

"حضرت داؤد علیہ السلام اپنے اہل و عیال کے ساتھ رات کے ایک حصے میں جاگتے اور عبادت کیا کرتے تھے، کیونکہ رات میں ایک ایسا لمحہ ہوتا ہے جس میں جو دعا بھی کی جائے قبول ہوتی ہے سوائے جادو کرنے والے اور (ظالمانہ) ٹیکس وصول کرنے والے کے۔"[2]

اس موضوع کی دیگر بھی کئی روایات موجود ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"آدھی رات کو آسمان کے دروازے کھل دیے جاتے ہیں اور ایک پکارنے والا (فرشتہ) پکارتا ہے کہ ہے کوئی سائل کہ اس کی دعا کے مطابق اسے عطا کیا جائے؟ ہے کوئی تکلیف میں مبتلا کہ اس کو تکلیف سے نجات دی جائے؟ اس طرح کوئی ایسا مسلمان نہیں بچتا کہ اس کی دعا کو قبولیت حاصل نہ ہو سوائے زانیہ عورت یا زیادتی سے محاصل وصول کرنے والے شخص کے کہ ان کی دعا قبول نہیں کی جاتی۔"[3]

اس موضوع کی ایک روایت یوں ہے کہ آدھی رات کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے (مزید) قریب ہو جاتا ہے۔ ان کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں اور ان کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں سوائے زانیہ اور زیادتی سے ٹیکس وصول کرنے والے کے۔[4]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"تمہارے اوپر ایسے حکمران اور عمال مقرر ہوں گے کہ ان کے ارد گرد شریر لوگ جمع ہو جائیں گے۔ یہ لوگ نمازوں کو مؤخر کر دیں گے۔ تم میں سے جو کوئی ان کے زمانے میں موجود ہو تو نہ ان کا عریف (لوگوں کے حالات حکومت تک پہنچانے والا) بنے، نہ ان کا صاحب الشرطہ (پولیس مین)

4- مسند احمد، 4:1008

1- مسند احمد، 4:1008

2-المنذري، عبدالعظيم ابو محمد، الترغيب والترهيب، دار الكتب العلميه، بيروت1407ھ، باب ما يستجاب الدعاء من كل احد الا الزاني والعشار: 2:87

3-الترغيب والترهيب، باب ما يستجاب الدعاء من كل احد الا الزاني والعشار: 2:87

بنے اور نہ ان کے محاصل وصول کرنے والے محصلین بنیں، نہ ان کے خازن۔"[1]

ان احادیث میں جن لوگوں کو وعید سنائی گئی ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو زکوۃ، عشر یا کوئی اور ٹیکس وصول کرتے وقت لوگوں کو ناجائز طور پر چھوٹ دینے کے لیے ان سے رشوت وصول کرتے ہیں اور جو لوگ رشوت نہیں دیتے ان سے اصل سے زائد ٹیکس وصول کرتے ہیں یا کسی اور طریقے سے لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے زکوۃ وصول کرنے والوں کو بھی تلقین فرمائی ہے کہ وہ لوگوں سے ان کے بہترین مال وصول نہ کریں۔ لیکن یہ لوگ آپ ﷺ کی اس تلقین کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ازراہ ظلم ان کے بہترین مال وصول کرنے لگے۔

نبی کریم ﷺ کی عریف کو تنبیہ

اسی طرح کا ایک منصب جس سے ناجائز طور پر فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اور جو لوگوں پر ظلم و زیادتی کا باعث بن جاتا ہے 'عریف' کہلاتا ہے۔ 'عریف' ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو حاکم کی طرف سے رعایا کے حالات معلوم کرنے کے لیے مقرر ہوتا ہے اور ضرورت کے وقت اپنی قوم کے مختلف افراد کا رویہ اور کردار رپورٹ کی صورت میں حاکم کے سامنے پیش کرتا ہے۔ زیادہ گمان یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے رشوت وصول کریں گے اور رشوت لے کر لوگوں کی غلط سلط رپورٹیں حکمران تک پہنچائیں گے۔ اس لیے اس طبقے کے بارے میں بھی آپ ﷺ نے بڑا تنبیہی انداز اختیار فرمایا۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی:

أَفْلَحْتَ يَا قُدَيْمُ إِنْ مُتَّ وَلَمْ تَكُنْ أَمِيرًا وَلَا كَاتِبًا وَلَا عَرِيفًا[2]

"اے مقدام! تو نے نجات پائی اگر تو اس حال میں فوت ہوا کہ تو نہ لوگوں کا امیر ہوا، نہ منشی اور نہ عریف۔"

ایک اور روایت جو ابو داؤد میں ہے کہ کسی نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ اسے اس کے باپ کے بعد جو اب بوڑھا ہو چکا ہے، ایک چشمے کا عریف بنا دیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّ الْعِرَافَةَ حَقٌّ وَلَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ الْعُرَفَاءِ وَلَكِنَّ الْعُرَفَاءَ فِي النَّارِ"[3]

"عرافت بے شک ایک ضروری منصب ہے، اس کے بغیر گزارا نہیں مگر اکثر عریف جہنم میں

4- ایضاً

1 – سنن أبي داؤد، كتاب الخراج، باب في العرافة، رقم الحديث: 2933

2 – ایضاً

جائیں گے۔"

مسند بزار میں اس سلسلے میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إن في النار حجرا يقال له ويل يصعد عليه العرفاء وينزلون فيه [1]

"جہنم میں ایک پتھر ہے جسے 'ویل' کہا جاتا ہے۔ عرفاء کو اس پر چڑھایا جائے گا اور پھر نیچے پھینکا جائے گا۔"

مسند ابو یعلیٰ میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے کے پاس سے گزرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس جنازے والے کے لیے خوشخبری ہے بشرطیکہ یہ عریف نہ ہو۔"[2]

رشوت اور اس کے بارے میں وعید

مالی بدعنوانیوں کی ایک شکل رشوت بھی ہے۔ رشوت کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جس کام کا معاوضہ لینا شرعاً درست نہ ہو اس کا معاوضہ وصول کیا جائے۔ مثلاً ایک کام کسی شخص کے فرائض میں داخل ہو اور اسے اس کام کی انجام دہی پر سرکاری طور پر معاوضہ اور تنخواہ ملتی ہو، ایسا کام کرنے پر وہ صاحب ضرورت شخص سے کوئی معاوضہ وصول کرے۔[3] قرآن مجید میں رشوت کے لیے 'سُحت' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ لفظ 'سُحت' کا معنیٰ 'ہلاکت و بربادی' ہے۔ رشوت نہ صرف لینے دینے والوں کو اخلاقی اور معاشی طور پر تباہ وبرباد کرتی ہے بلکہ ملک وملت کی جڑ اور امن عامہ کی بنیادیں ہلا دیتی ہے۔ جس ملک میں رشوت کی لعنت چل پڑتی ہے وہاں قانون بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے۔ لوگ رشوت دے کر ہر کام کروالیتے ہیں۔ حق دار کا حق مارا جاتا ہے اور غیر حق دار مالک بن بیٹھتے ہیں۔ قانون، جو کہ لوگوں کے حقوق کا ضامن ہوتا ہے بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے۔ قانون کی حاکمیت جس معاشرے میں کمزور پڑ جائے وہ معاشرہ زیادہ دیر چل نہیں سکتا، نہ کسی کی جان محفوظ رہتی ہے نہ مال وعزت۔ قرآن مجید نے اسے 'سُحت' کہہ کر 'اشد حرام' قرار دے دیا ہے۔ رشوت کے دروازے بند کرنے کے لیے اسلام نے یہ اصول دیا ہے کہ امراء وحکام کو تحفے دینا حرام ہے۔[4] اس سلسلے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے:

---

3 – الترغيب والترهيب: 88:2

1 – الترغيب والترهيب: 88:2

2 – مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ناشر کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی، پاکستان، س ن، 3:153،151

3 –جصاص، احمد بن على الرازى، ابو بكر، احكام القرآن، داراحياءالتراث العربى، بيروت، لبنان، 1983ء، ص: 130

﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾[1]

"آپ میں ایک دوسرے کے مال ناجائز طریق سے مت کھاؤ اور نہ مال کو حاکموں تک پہنچاؤ کہ تم لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ کے طریقے سے جانتے بوجھتے کھا جاؤ۔"

قرآن مجید نے یہود کے مذہبی اجارہ دار طبقے کی یہ خرابی بیان کی ہے کہ وہ لوگوں کو ان کی پسند کے فتوے جاری کر کے ان سے رشوت کھاتے ہیں۔ قرآن مجید نے ان لوگوں کا ذکر یوں فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾[2]

"بے شک جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے اور اس کے بدلے میں تھوڑا سا مول لیتے ہیں یہ لوگ اپنے پیٹوں میں نہیں کھاتے مگر آگ، اور اللہ ان سے قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

نبی کریم ﷺ کی پالیسی بظاہر بڑی سخت نظر آتی ہے لیکن مالیاتی معاملات میں نظم اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے جب بدعنوانی کا سبب بننے والے ہر چھوٹے سے چھوٹے سوراخ کو بھی مکمل طور پر بند کیا جائے۔ چھوٹے سے چھوٹے سوراخوں سے جب پانی کو رسنے دیا جائے تو یہی سوراخ بڑے ہو کر بند کو اپنے ساتھ بہالے جاتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی بدعنوانیوں سے اگر درگزر کیا جائے تو یہی غلطیاں پورے معاشی ڈھانچے کو زمین بوس کر دیتی ہیں۔ آج کا دور اس کی واضح مثال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے یہ لوگ (یہود) اسے چھپاتے ہیں اور اس کے ذریعے معمولی معاوضہ حاصل کرتے ہیں۔ وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا۔ یہودیوں کی اس خرابی کو قرآن پاک یوں بیان کرتا ہے:

﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ﴾[3]

"یہ لوگ جھوٹ (افواہیں) بڑے شوق سے سنتے ہیں اور حرام خوری میں بڑے تیز ہیں۔"

4- البقرة2: 188

1- البقرة2: 174

2- المائدة5: 42

حدیث میں ہے کہ:

لَعَنَ رَسُولُ اللّٰہ ﷺ الرَّاشِي وَالْمُرْتَشِي.[1]

"رشوت لینے اور دینے والے پر اللہ کے رسول ﷺ کی لعنت ہے۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

''لا يدخل الجنة لحم نبت من سحت، النار أولى به''[2]

"جس گوشت نے 'سُحت' (حرام) سے پرورش پائی ،آگ اس کے لیے زیادہ مناسب ہے۔پوچھا گیا: 'سُحت' کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: فیصلے صادر کرنے میں رشوت وصول کرنا۔"

اسی طرح کی ایک حدیث مبارکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

ابن خویز منداد نے 'سُحت' کی ایک شکل یہ بیان کی ہے کہ:

"ایک شخص کا کسی صاحب اختیار شخص کے ساتھ کوئی کام اور حاجت ہو لیکن اس کی صاحب منصب شخص تک رسائی نہ ہو جبکہ کسی دوسرے شخص کا اس صاحب منصب کے ساتھ تعلق موجود ہو اور وہ سائل کی رسائی متعلقہ افسر تک کروانے کے لیے کوئی فیس اور معاوضہ طلب کرے۔"[3]

'سُحت' اور رشوت کی ایک شکل یہ بھی روایت میں بیان کی گئی ہے کہ:

"کسی صاحب منصب شخص کو کوئی چیز دی جائے تا کہ کسی کا حق مار کر خود حاصل کر لیا جائے۔اگر کوئی شخص رشوت لے کر کسی کا کام حق کے مطابق کرتا ہے تو وہ شخص رشوت لینے کی وجہ سے گنہگار ہو گا اور یہ مال اس کے لیے 'سُحت' ہو گا۔لیکن اگر رشوت لے کر حق کے خلاف فیصلہ کیا اور غیر حق دار کو حق دے دیا تو یہ جرم کئی گنا بڑھ جائے گا۔اس میں رشوت، ظلم، حق تلفی اور اللہ تعالیٰ کی حد کو توڑنا بھی شامل ہو جاتا ہے۔[4]

3- ترمذی، ابو عیسی، محمد بن عیسی، جامع، دار السلام للنشر والتوزيع الرياض، 2000ء ، كتاب الاحكام، باب ماجاء في الراشي والمرتشي، رقم الحديث: 1336

1- الجامع لأحكام القرآن، 3:182

2- ایضاً

3۔ ایضاً، 3:183

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص رشوت وصول کرتا ہے تو اسے اسی وقت معزول کر دیا جائے۔ اگر اسے معزول نہ کیا گیا تو اس فعل کے ارتکاب کے فوراً بعد سے اس کے تمام احکام غیر قانونی سمجھے جائیں گے۔[1]

صاحب تفسیر امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"رشوت وصول کرنا فسق ہے اور کسی فاسق کے لیے فیصلہ کرنا جائز نہیں۔[2] حدیث شریف میں رشوت دینے میں واسطہ بننے والے کو بھی اتنا ہی مجرم قرار دیا گیا ہے جتنا رشوت لینے اور دینے والے کو۔[3]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قرآنی تعلیمات کو عملی شکل دی۔ آج کے دور میں مالی بدعنوانیوں کے انسداد کے لیے یہ واقعہ بنیادی رہنما ثابت ہو سکتا ہے کہ خیبر کے دن یہودیوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط پر مصالحت فرمائی تھی کہ وہ اپنی آدھی زرعی آمدنی مسلمانوں کو ادا کیا کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو محاصل وصول کرنے کے لیے متعین فرمایا گیا۔ ان لوگوں نے اپنی عورتوں کے زیورات بیچ کر رقم جمع کی اور صحابی رسول کو پیش کرنا چاہی کہ یہود کا حصہ بڑھا دیا جائے۔ عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا جواب نہ صرف یہود کے لیے بلکہ آج کے دور کے لیے بھی روشنی کا مینارہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے یہودیو! اللہ کی قسم! تم اللہ کی مخلوق میں سے مبغوض ترین مخلوق ہو لیکن تمہاری یہ رشوت مجھے ظلم پر آمادہ نہیں کر سکی۔ تمہاری یہ رشوت حرام ہے، ہم مسلمان اسے نہیں کھاتے۔"

یہودیوں نے ان کی تقریر سن کر کہا کہ یہی وہ انصاف ہے جس سے آسمان وزمین قائم ہیں۔[4]

بدعنوانی کی ایک شکل یہ ہے کہ حکمران لوگوں کو سرکاری خزانے سے رشوت کے طور پر مال دیں اور اس سے ان کا مقصد یہ ہو کہ سیاسی یا معاشی مقاصد حاصل کریں۔ اس طرح کی بدعنوانی کے انسداد کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اے لوگو! اگر تمہیں کوئی چیز عطا کریں تو لے لیا کرو جب تک کہ وہ عطا ہی رہے۔ یعنی (یہ عطیہ کسی خدمت اور استحقاق کے طور پر ہو اور اس کی شرعی بنیاد موجود ہو) پھر جب قریش اقتدار کی خاطر ایک دوسرے سے لڑیں اور عطائیں قرض کے بدلے میں ملیں تو ان عطیات کو چھوڑ دو اور

4۔ الجامع لأحکام القرآن، 3:182

5۔ ایضاً

1 – کنز العمال، رقم الحدیث: 14495

2 – مالک بن انس، امام، مؤطا، دار احیاء التراث العربی، 1406ھ، کتاب المساقات: 1:516

قبول نہ کرو۔"[1]

آپ ﷺ نے فرمایا:

"جب قریش آپس میں حکومت کے لیے لڑنے لگیں اور رشوت کے طور پر لوگوں کو عطیات دیے جائیں (اور مستحق لوگوں کو نہ دیے جاتے ہوں) تو یہ عطیات قبول نہ کرو۔"[2]

آج کے دور میں یہ دونوں طرح کی رشوت موجود ہے۔ سرکاری کارندے قومی خزانے کو اپنی ذاتی دولت سمجھ کر ناجائز طور پر لوگوں کو بھاری رقوم دیتے ہیں۔ آہستہ آہستہ عوام کی بہت بڑی تعداد اخلاقی طور پر دیوالیہ ہوتی جا رہی ہے۔ رشوت نے لوگوں کی اخلاقی حس کو زنگ آلود کر کے ان کے ضمیر کو سلا دیا ہے۔ دوسری طرف عوام میں یہ خیال اب جڑ پکڑ چکا ہے کہ رشوت کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا اور رشوت کے ذریعے ہر ناممکن کام ممکن ہو جاتا ہے۔

3- سنن أبي داؤد، كتاب الخراج، باب كراهية الاقتراض في آخر الزمان، رقم الحديث: 3959

4- سنن أبي داؤد، كتاب الخراج، باب كراهية الاقتراض في آخر الزمان، رقم الحديث: 3959